ایک حدیث

امانت داری

ترمذی و ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے آنحضرتؐ کا ایک ارشاد یوں مروی ہے:

اد الامانۃ الی من ائتمنک ولا تخن من خانک — جو امانت رکھوائے اس کی امانت اسے واپس کر دو اور خیانت اس کے ساتھ بھی نہ کرو جو تم سے خیانت کرے۔ (ریاض السنۃ ص۲۲۶)

یہ ارشاد نبوی عین قرآن کی ترجمانی ہے۔ قرآن نے چھوٹی چھوٹی قدروں کو بھی فراموش نہیں کیا تو وہ امانت داری جیسی عظیم اخلاقی قدر کو کیونکر نظر انداز کر سکتا تھا؟ قرآن کہتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَہْلِہَا۔ — خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو

یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ (آنکھوں کی خیانت) کو بھی جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے امانت کا تعلق صرف مال سے نہیں بلکہ اس میں وہ تمام نعمتیں اور صلاحیتیں داخل ہیں جو خدا نے انسان کو بخشی ہیں اور جن کے استعمال میں اسے اختیار حاصل ہے۔ اور جن کے عوض انسان مسئول ہے۔ یہی ہے وہ حقیقت جو قرآن کی اس آیت میں بیان ہوئی ہے کہ:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَہَا وَاَشْفَقْنَ مِنْہَا وَحَمَلَہَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَہُوْلًا۔ — ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے اپنی امانت پیش کی مگر ان سب نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے کانپ اٹھے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بلاشبہ وہ ظالم و نادان ہے۔

یہ امانت کیا ہے؟ یہ "مختاری" ہے کیونکہ جہاں اختیار کی بجائے جبر ہے وہاں باز پرس بھی نہیں۔ پس جہاں انسان کا کوئی اختیار نہیں اور جہاں باز پرس نہیں وہ امانت بھی نہیں۔

جب الکشن لڑنا ہوتا ہے تو ہر گروہ جو اسلامی خدمت کا دعویدار ہوتا ہے اپنے منشور میں یہ آیت ضرور درج کرتا ہے کہ :- ان تودوا الامانات الیٰ اَھلِھَا یعنی ووٹ ایک امانت الٰہی ہے اور جو اس کا اہل ہو اسی کو (یعنی ہماری جماعت کو) ووٹ دینا چاہیے اگرچہ کسی تفسیر میں (خواہ وہ حضورؐ سے منقول ہو یا صحابہ سے یا دیگر ائمہ مجتہدین سے) امانت کے معنی ووٹ نہیں لکھے ہیں لیکن ہم اس جدید تفسیر کو غلط نہیں کہہ سکتے کیونکہ تفسیر کے دروازے کسی دور میں بند نہیں۔ ہر دور کے تقاضے نئی نئی تفاسیر پیدا کرتے رہیں گے۔ خدا کا کلام اپنے حقائق و معارف میں لامحدود ہے اس لیے اسے کسی دور کی تفسیر میں محدود نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ یہ گنجائش صرف ووٹوں ہی کے معاملے میں نہیں بلکہ دوسری آیات کی تفسیر میں بھی اس گنجائش کو باقی رکھنا چاہیے۔

امانت اپنے مفہوم کے لحاظ سے بڑی وسیع حقیقت ہے۔ جو قوتیں، جو صلاحیتیں اور جو نعمتیں اللہ نے انسان کو بخشی ہیں وہ سب امانت ہیں۔ ان کے استعمال میں انسان آزاد و خود مختار ہے۔ اور ہر امانت کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں انسان سے باز پرس ہو گی۔ (ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم)

اولاد بھی امانت ہے۔ بیوی بھی امانت ہے۔ دولت بھی امانت ہے۔ جسم اور اس کی بیرونی و اندرونی قوتیں بھی امانت ہیں۔ دل و دماغ کے ارادے، نیتیں، عقل و شعور اور قوت فکریہ بھی امانت ہیں۔ حکومت و اقتدار بھی امانت ہے۔ غرض بے شمار امانتوں میں انسان گھرا ہوا ہے :

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب   خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

یہ ساری امانتیں وہ ہیں جو خدا کی طرف سے بندوں کے سپرد کی گئی ہیں۔ اسی طرح کچھ امانتیں وہ ہوتی ہیں جو بندے بندوں کے سپرد کرتے ہیں۔ ان کی ادائیگی بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسی امانت الٰہی کے حقوق کی ادائیگی۔ بلکہ امانتِ الٰہی میں اگر خیانت ہو تو توبہ کے بعد خدا اسے معاف بھی کر سکتا ہے لیکن بندوں کی خیانت خدا بھی اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک خود بندے نہ معاف کر دیں۔ بندوں کے معاملے میں تو یہاں تک فرمایا گیا کہ المستشار مؤتمن۔ جس سے مشورہ لیا جائے اسے بھی مشورے کا امین ہونا چاہیے۔

زیرِ بحث حدیث میں تو ایک بڑی اونچی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ خیانت تو ایسی بُری شے ہے کہ خائن کے ساتھ بھی خیانت کرنے کی اجازت نہیں۔ یعنی اگر تمہاری امانت میں کسی نے خیانت کی ہو تو اس کے جواب میں بھی تم اس کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خیانت کتنا بڑا اخلاقی جرم ہے۔

کون نہیں جانتا کہ صداقت اور امانت دو ایسے اخلاقی وصف ہیں جو سیرت نبوی کا اہم ترین جز ہیں۔ آنحضرتؐ کو ابتدا ہی سے ہر شخص "صادق و امین" کہتا تھا۔ حتیٰ کہ پیغامِ اسلام پہنچانے کے بعد سارا عرب ہی حضورؐ کا دشمن ہو گیا۔ سب نے ساحر، مسحور، شاعر، مجنون اور اقتدار پسند ہونے کا الزام لگایا حتیٰ کہ دعوائے نبوت میں کاذب تک کہا لیکن کسی معاملے میں کذب یا خیانت کا الزام کوئی دشمن بھی نہ لگا سکا۔ اور تاریخ امانت داری کے اس واقعے کو ہمیشہ ذریں حروف میں لکھتی رہے گی کہ سارے قریش اہل اسلام کے دشمن ہو رہے ہیں۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے ہیں حتیٰ کہ انہیں وطن سے بے وطن کر رہے ہیں لیکن پھر بھی جب امانت رکھنی ہوتی ہے تو حضورؐ ہی کے پاس رکھتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ آنحضرتؐ کی امانت داری پر انہیں کتنا اعتماد تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ دشمن خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ قتل کی سازش کر کے آئے ہیں۔ حضورؐ مکہ چھوڑ رہے ہیں۔ خاموشی سے جان بچا کر ایک رفیق (ابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ لیکن اپنے بھائی (علی مرتضےٰؓ) کو تلواروں کی چھاؤں میں چھوڑ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسے بھی ساتھ کیوں نہ لے گئے؟ اسے کیوں ایسے شدید خطرے میں چھوڑ گئے؟ صرف اس لیے کہ "جن لوگوں کی امانتیں میرے پاس ہیں انہیں واپس کر کے تم بھی روانہ ہو جانا۔" کیا امانت داری کی کوئی نظیر اس سے بہتر بھی انسانی تاریخ میں مل سکتی ہے؟ یہ ہیں وہ اخلاقی قدریں جن کے قیام کے لیے آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تھے۔ زیرِ بحث حدیث حضورؐ کا ارشاد ہے اور یہ ہے عمل جو ساری عمر قائم رہا۔ (محمد جعفر)